از قلم مولانا حبیب الرحمان عثمانی دیوبندی مرحوم

سلطان العلماء

قاضی عزالدین ابن عبدالسلامؒ

آپ کا نام عبدالعزیز ہے ،سلسلہ نسب یہ ہے ۔عبدالعزیز ابن عبدالسلام ابن ابی القاسم ابن حسن ابن محمد ابن مھذب سلمی ۔ آپ اپنے زمانے کے اُن علمار اعلام میں سے ہیں جن کو تمام علمارعصر نے امام علمار تسلیم کرلیا ہے ۔آپ کے زمانہ میں آپ کا کوئی مثل نہ تھا ۔علم وزہد ، تقویٰ و طہارت میں آپ مسلم کل تھے ۔ اسرار شریعت وغوامض ۔معرفت وحقیقت کے آپ جامع و متبحر تھے ۔ امر بالمعروف نہی عن المنکر میں آپ اس درجہ پر تھے کہ جسکی نظیر نہیں مل سکتی ۔حق گوئی آپکی اس درجہ پر تھی کہ کبھی کوئی اس امر سے مانع نہیں آیا ۔ دل کی قوت زبان کی فصاحت ۔قلم کی روانی سب ہی اوصاف چوٹی کے موجود تھے ۔آپ ان تمام فضائل وکمالات ۔ اخلاق وملکات میں اس درجہ پر تھے کہ آپ نے اپنی مثل ونظیر علمار عصر میں دیکھا ۔ اور نہ جس کسی نے آپ کو دیکھ لیا اُس نے آپ کا مثل ومشابہ کوئی عالم دیکھا ۔

آپ سلطان العلمار کے لقب سے ملقب تھے ۔لیکن یہ لقب آپ کو کسی شاہی دربار سے نہیں ملا تھا ۔بلکہ برگزیدہ علمار زمانہ نے آپکی شان رفعت وعلمی کو دیکھ کر یہ خطاب دیا ۔سب سے اوّل شیخ تقی الدین ابن دقیق العید نے جو علم فقہ وحدیث میں یگانہ آفاق ومجتہد وقت تھے ۔ اس خطاب سے آپکو مخاطب کیا ہے ۔ اور پھر قاطبۃً علمارعصر نے اس کو قبول کیا ہے ۔یہاں تک کہ یہ لقب بمنزلہ علم (نام) کے ہوگیا ۔

یہ وہ زمانہ شیوع علم اور کثرت علمار ربانیین وعاملین کا تھا کہ ہر حصۂ ملک میں ایک سے ایک بڑھ کر عالم ہر فن کے موجود تھے ———— ایسے وقت شیخ عزالدین کو یہ خطاب ملنا اور تسلیم کیا جانا کوئی معمولی بات نہ تھی ۔

سلطان العلماء کا ابتدائی زمانہ نہایت افلاس و تنگدستی کا تھا۔ عسرت سے بسر ہوتی تھی، محنت و مزدوری سے گذر اوقات کرتے تھے، اور اسی وجہ سے تحصیل علم کا وقت گذر گیا جوان ہونے تک اسکی طرف توجہ کرنے کی نوبت نہ آئی۔ مگر موہبت الٰہی اسباب کی پابند نہیں۔ نہ خاندان و دودمان کی۔ خدا جسکو چاہتا ہے، اور جس وقت چاہتا ہے آن کی آن میں جسقدر چاہے عطا فرما دیتا ہے۔ سلطان العلماء کے حالات زندگی جس قدر پُر عظمت و رفعت ہیں، ایسے ہی ابتدا تحصیل کا واقعہ بھی عجیب ہے۔

ایک شب آپ دمشق کی مشہور جامع مسجد میں مقام کلاسہ کے اندر سوتے تھے۔ آپکو احتلام ہو گیا۔ آنکھ کھلی تو عجب کشمکش میں تھے ایسی حالت میں سوتے رہنا تو گوارا نہ تھا، رات زیادہ باقی تھی، جامع مسجد کے دروازے صبح کو کھلتے تھے۔ گرم پانی سے غسل کرنے کیلئے اس وقت تک کا انتظار بھاری تھا۔ خواب گاہ کے سامنے ایک حوض تھا، فوراً اس یخ پانی میں کود پڑے۔ سخت سردی کا موسم تھا۔ دمشق کی سردی ناقابل برداشت ہوتی ہے۔ آپ نے غسل تو کر لیا۔ مگر سردی کی بے انتہا تکلیف اٹھائی۔ اسی حالت میں دوبارہ آنکھ لگ گئی تو پھر دوبارہ احتلام ہو گیا۔ آنکھ کھلنے پر دوبارہ آپ اسی طرح حوض میں کود پڑے۔ اس مرتبہ شدّت سردی سے آپ کو غش آ گیا۔ غرض دو مرتبہ تو یقیناً اور بظن غالب تین مرتبہ ایک ہی شب میں یہ واقعہ پیش آیا۔ شیخ نے حالت جنابت میں تھوڑی دیر بھی رہنا گوارا نہ کیا۔ اور اس طرح مہلک خطرہ میں اپنی جان کو ڈال کر ہر مرتبہ غسل کر لیا۔ اگر کچھ صاحب مال و ثروت ہوتے۔ تو یہ احتمال ہو سکتا۔ کہ ان کپڑوں کی جگہ اُن سے زیادہ گرم لباس پہن لیں گے۔ یہاں تو وہی ایک لباس تھا۔ جس کو ہر مرتبہ غسل کے بعد پہن لیتے تھے، اور سردی کی شدّت و صعوبت کو برداشت کرتے ہوئے ذرا غفلت و بیہوشی کی کیفیت پیش آتی تھی۔ تو پھر احتلام کی صورت میں امتحان و ابتلاء وقت آ جاتا تھا۔ مگر آپ کی مردانہ ہمت ہر مرتبہ ساتھ دیتی رہی۔

خداوند عالم کو ان کی یہ ادا، یہ مستعدی و چستی۔ اور اس قدر احتیاط کہ باوجود جواز و اباحت کے جنابت کی حالت میں رہنا گوارا نہ کیا۔ پسند آ گئی۔ آخر مرتبہ غسل کرنے کے بعد لیٹے تو غیب سے ایک آواز آئی۔ ابن عبد السّلام تم علم چاہتے ہو یا عمل۔ آپ نے اُس کے جواب میں عرض کیا، علم چاہتا ہوں۔ کیونکہ علم ہی عمل کی طرف ہادی ہوتا ہے۔ عمل بغیر علم کے ناقص و ناتمام بلکہ ہیچ ہے۔ آپ نے اس جواب میں دونوں باتیں علم و عمل کا سوال کیا۔ مگر یوں نہ کہا کہ دونوں چاہتا ہوں۔ اس میں آپ نے ندائے غیبی کے ادب کو ملحوظ رکھا۔ اس میں یہ تھا، علم چاہتے ہو یا عمل۔ گویا دونوں باتوں میں سے ایک بات چاہو۔

اور اسطرح ندائے غیبی میں بھی اُن کے فہم و سلامت طبع کی آزمائش تھی۔ آپ عرض کر سکتے تھے، دونوں کو چاہتا ہوں، مگر نہیں، آپ نے ندائے غیبی کے طرز کو ملحوظ رکھ کر ایک خواہش کا اظہار اس طرح کیا، کہ اس میں دونوں چیزیں آ گئیں۔ اس لئے کہ مطلب آپ کا یہ تھا کہ مقصود عمل ہے۔ اور عمل بغیر علم کے ناقص و ناتمام ہے۔ اس لئے ایسا علم چاہتا ہوں جو عمل تک پہنچائے، وہ علم نہیں چاہتا جو نافع نہ ہو۔ آپکی یہ عرض قبول ہوئی، صبح کو اٹھے تو دل میں تحصیل علم کا شوق موجزن تھا۔ اٹھتے ہی کتاب تنبیہ مصنفہ شیخ ابی اسحاق شیرازی کو ہاتھ میں لیا۔ یہ کتاب تنبیہ شافعی جماعت میں ایسی ہی مشہور و مسند اول ہے، جیسے قدوری حنفیوں کے یہاں تھوڑی سی مدت میں اسکو یاد کر لیا۔ اور پھر طلب علم کیطرف توجہ تام کی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے زمانہ کے علماء میں سب سے بڑے شمار ہونے لگے اسی طرح ان کا یہ علم عمل کیطرف رہبر و ہادی بن گیا۔ اور عبادت میں بھی سب سے فائق سمجھے جانے لگے۔

آپ نے تمام علوم کو اپنے وقت کے اکابر و مشاہیر سے حاصل کیا۔ علم فقہ تو فخر الدین ابن عساکر سے اصول سیف الدین آمدی سے۔ علم حدیث کو اُسوقت کے مشاہیر حفاظ حدیث سے مثل حافظ ابی محمد ابن حافظ ابی القاسم ابن عساکر، شیخ الشیوخ عبد اللطیف ابن اسمعیل وغیرہم سے۔

جس طرح آپ نے بڑے بڑے اساتذہ فن سے تحصیل علم کی، اُسی طرح آپ کے شاگرد بھی بڑے پایہ کے علماء ہوئے ہیں۔ بڑے بڑے شیوخ و محدثین نے آپ سے حدیث کی روایت کی ہے۔ آپ کے تلامذہ کی فہرست میں شیخ ابن دقیق العید۔ حافظ دمیاطی وغیرہ اکابر علماء داخل ہیں۔

آپ کی تحصیل علم کی ابتداء جس شان سے ہوئی۔ جس جد و جہد اور پابندی اوضاع و اطوار سلف کے ساتھ علوم کی تحصیل کی۔ جیسے جیسے اکابر فن و اساتذہ و مشائخ کے سامنے زانو ادب تہ کر کے تمغۂ لیاقت حاصل کیا۔ ان سب کا اقتضاء یہ ہی تھا۔ کہ زمانہ طالب علمی سے ہی مقبولیت عامہ کے آثار ظاہر ہوتے گئے۔ تحصیل علوم کے بعد آپ دمشق ہی میں مقیم رہے۔ اور وہاں زاویہ غزالیہ (یہ زاویہ امام غزالی کی طرف منسوب ہے جس میں امام غزالیؒ نے قیام فرمایا تھا۔) اور دوسری درسگاہوں میں سلسلۂ درس جاری کر دیا اس کے ساتھ ہی جامع اموی (مشہور جامع مسجد دمشق) کی امامت و خطابت کا جلیل القدر منصب سلطان وقت کی طرف سے آپکو سپرد ہوا۔ جن کی خدمات کو آپ نے اُسی انداز سے سرانجام دیا جو ایک ربانی عالم متبع سنت قامع بدعات کے شایان شان تھا۔ ائمہ خطباء نے جن جن بدعات کا رواج دے دیا تھا، اُن سب کو مٹایا۔ مثلاً ائمہ خطباء نے ایک بدعت یہ بھی جاری کر دی تھی کہ جب ممبر پر جاتے تھے تو تلوار سے ممبر کو کوٹتے تھے۔ گویا اپنے ممبر پر پہنچنے کا اعلان کرتے تھے۔ یہ محض

ایک بدعت اور رسم تھی۔ مگر اسکی ابتداء جس کسی نے جس نیت سے کی ہو۔ اب یہ فعل خطبہ کے افعال میں شمار ہونے لگا تھا۔ ہر ایک امام وخطیب ایسا کرتا تھا۔ جو نہ کرے اس پر بری نظریں اٹھتی تھیں۔

سلطان العلماء کا سکہ بیٹھ گیا تھا۔ اُن کی عظمت و شہرت مقبولیت سب کچھ قلوب میں راسخ ہو چکی تھی۔ آپ نے ایسے وقت امامت وخطابت جامع اموی کو سنبھالا تھا۔ جبکہ آپ سے زیادہ اس منصب کے لیئے کوئی مستحق ولائق نہ تھا۔ اس لیئے آپ کو اپنے رسوخ مقبولیت استقامت و تصلب فی الدین اور ہیبت خداداد کی وجہ سے یہ موقع ملا کہ آپ نے بدعات کا جو ائمہ وخطباء کی بدولت رواج پذیر ہو گئی تھیں، قلع قمع کر دیا۔

اس کے ساتھ اور بدعات کو بھی جنکا رواج دمشق وغیرہ میں ہو گیا تھا، اٹھانا شروع کر دیا۔ مثل صلوٰۃ رغائب کے جسکا رواج وہاں بہت تھا، جو نصف شعبان کی شب میں ادا کی جاتی تھی وعلیٰ ہذا۔

آپ برابر دمشق ہی میں مقیم رہے۔ لیکن وہاں کے حاکم الصالح اسمٰعیل معروف باب الخنبش نے اپنی کسی ملکی ضرورت سے نصاریٰ فرنگ سے فوجی امداد لی تھی۔ اور اس کے معاوضہ میں مسلمانوں کے تاریخی مقام صیدا اور سقیف اُن کے حوالہ کر دیئے تو آپ کو یہ امر سخت ناگوار گذرا۔ کیونکہ آپ کو معلوم تھا، کہ نصاریٰ سے امداد لینا کسی دینی مصلحت پر مبنی نہ تھا بلکہ اُن کو ساتھ لیکر اپنی ولایت وحکومت کی حفاظت کے لیئے مسلمان سلاطین سے مقابلہ کرنا، اور اپنی سلطنت کو مستقل بنانا تھا۔

سلطان العلماء جیسے متصلب فی الدین کی حمیت دینی اسکو کب گوارا کر سکتی تھی۔ آپ نے اسی وقت اپنی ناراضی اور اس فعل سے ناخوشی کا اظہار فرمانے کے ساتھ ہی خطبہ میں والی دمشق کے لیئے دعا کرنا چھوڑ دیا۔ علامہ ابوعمر ابن الحاجب مالکی مصنف متن مشہور کافیہ نے بھی اس انکار وتشدد میں ان کا ساتھ دیا۔ سلطان دمشق کو اسکی اطلاع ہوئی تو اس پر غیظ وغضب طاری ہوا۔ یہ دونوں حضرات دمشق کو خیرباد کہہ کر مصر کی جانب روانہ ہو گئے۔

آپ کی شہرت وعظمت تو تمام بلاد اسلامیہ میں پھیلی ہوئی تھی، راستہ میں مقام کرک پر گذر ہوا، تو وہاں کے نواب وحاکم نے شان وشوکت سے استقبال کر کے یہ درخواست کی کہ آپ اسی جگہ قیام فرمائیں۔ آپنے فرمایا یہ شہر چھوٹا ہے، جو کام مجھ کو اپنے علم سے لینے ہیں وہ یہاں نہیں ہو سکتے۔ یہاں سے روانہ ہو کر آپ قاہرہ دار السلطنت ملک مصر پہنچے۔ اسوقت مصر کا سلطان صلاح الدین فاتح بیت المقدس کا برادر زادہ ملک صالح نجم الدین ایوب تھا۔

سلطان صلاح الدین اور ان کے بھائی ملک کامل (جسکا بیٹا ملک صالح تھا) میں جو مادہ دینداری

قدر دانی اہل علم۔ حمایت دین۔ ترویج سنت و اماطت بدعت موجود تھا۔ وہ ان کی اولاد میں بھی کم و بیش باقی تھا۔ ان کا ملک جو شام و مصر کے تمام حدود کو شامل تھا، اب ٹکڑے ٹکڑے ہو کر چھوٹے چھوٹے حصوں میں منقسم ہو گیا تھا۔ ہر حصہ پر انہیں میں کا ایک فرد حکمران تھا جو وہاں کا سلطان ہوتا تھا۔ چنانچہ دمشق و کرک وغیرہ سب اسی طرح تھے۔ مگر مصر میں جو سلطان رہتا تھا۔ اس کا رتبہ و درجہ ان سلاطین ایوبیہ میں بڑا سمجھا جاتا تھا۔ اس کی قوت و شوکت بھی زیادہ مانی جاتی تھی۔ کیونکہ ملک مصر بمقابلہ دوسرے ممالک کے وسیع مردم خیز، زرریز اور کثیر آبادی پر مشتمل تھا۔ اور ایک زمانہ تک خلفاء فاطمیین کے زیر نگیں رہنے سے اسکی عظمت و وسعت میں بہت کچھ ترقی ہو چکی تھی۔

سلطان العلماء نے اپنے قیام کو اسی لئے ملک مصر میں پسند فرمایا کہ وہاں رہ کر دینی خدمات وسیع پیمانہ پر انجام دے سکیں گے۔ اور اگر وہاں کے سلطان نے آپ کے ساتھ اچھا معاملہ کیا تو شوکت اسلام میں اسطرح بہت ترقی حاصل ہوگی۔

سلطان مصر کو آپ کی آمد آمد کی اطلاع پہنچی تو نہایت اکرام سے آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور فوراً جامع عمرو بن العاص (مصر کی قدیم اور مشہور جامع مسجد جسکو حضرت عمرو ابن العاص رضی مشہور صحابی فاتح مصر نے تعمیر کیا تھا) کی خطابت آپ کے سپرد کی۔ اور ساتھ ہی قاہرہ کا منصب قضا اور اسکی ایک سمت وجہ قبلی کی قضا بھی آپ کے سپرد کی۔ زمانہ دراز تک منصب قضا کی خدمات باحسن وجوہ آپ نے انجام دیں اور اسوقت آپ کو اظہار حق و اعزاز دین و تصلب مذہبی کے پورے پورے مواقع ملے۔

اسی زمانہ میں ملک صالح سلطان مصر کے ایک چوٹی کے وزیر نے (جسکو اس زمانہ میں استادوار کا لقب دیا جاتا تھا جو گویا بمنزلہ نائب السلطنت کے ہوتا تھا۔ جس کا نام فخر الدین ابن شیخ الشیوخ تھا اور اس شخص کو علاوہ اپنے منصبی فرائض کے سلطان کے مزاج میں اس قدر دخل تھا کہ تمام امور سلطنت اسی کے سپرد تھے) یہ کارروائی کی کہ ایک مسجد کی چھت پر نوبت خانہ بنا دیا، جہاں معینہ اوقات میں نوبت بجنی شروع ہوگئی۔

سلطان العلماء کو اس کی اطلاع ہوئی تو اپنے اختیارات منصب قضا کا نہایت صفائی و قوت سے استعمال فرمایا۔ کچھ پرواہ سلطان یا نائب السلطنت کے ملال یا غضب کی نہ کی۔ اور نوبت خانہ کو فوراً منہدم کرا دیا۔ اس کے ساتھ ہی دوسرا حکم آپ نے یہ نافذ فرمایا کہ استاذوار فخر الدین بوجہ اس فعل شنیع ناجائز و حرام کے درجہ فسق کو پہنچ کر مردود الشہادۃ ہو گئے۔ ان کی شہادت کسی معاملہ میں کسی قاضی کے یہاں قبول نہ کی جاوے۔

ان احکام کا اثر سلطان وقت پر تو کچھ نہ ہوا۔ آپ کی عظمت اُس کے دل میں وہی رہی مگر سلطان العلماء نے یہ خیال کر کے کہ جب سلطان اور نائب سلطان کے یہ حرکات ہیں تو میں کہاں تک اُن کے احکام کو توڑوں گا، سکوت کروں تو مداہنت ہے۔ خود منصب قضا سے مستعفی ہو گئے۔ سلطان اور نائب سلطان نے بھی اسکو غنیمت سمجھا اور زیادہ اصرار دربارہ قبول منصب قضا ان پر نہ کیا۔

فخر الدین نائب السلطنت یہ سمجھے کہ سلطان العلماء کا مجھ کو مردود الشہادت بنا دینا کیا اثر رکھتا ہے۔ یہ ایک حکم تھا جو اُن کے قلم سے نکلا اور انہیں کے بستہ میں پڑا رہا۔ علاوہ ازیں مصر کا کونسا قاضی وحاکم ایسا ہے جو میری شہادت کو قبول نہ کرے گا۔ مگر اس کا یہ خیال غلط تھا۔ فرض کر لو کہ مصر کی عدالتیں بوجہ رعب و قوت نائب السلطنت اس حکم کی تعمیل سے مقصر رہتیں۔ لیکن سلطان العلماء کے احکام اُس عام اثر کو جو ملک مصر سے متجاوز ہو کر شام وعراق وغیرہ ممالک اسلامیہ میں پھیلا ہوا تھا، کیونکہ مٹا سکتا تھا۔ یہ خبر کہ نائب السلطنت مصر کو سلطان العلماء نے مردود الشہادت قرار دیا ہے، بغداد تک بھی پہنچ گئی خلیفۃ المسلمین نے بھی اس کو سنا۔ اور جس طرح عام مسلمانوں نے دل سے اُس کو قبول کیا تھا خلیفہ نے بھی قبول کیا۔

یہاں یہ واقعہ پیش آیا کہ سلطان مصر ملک صالح نے اپنے ایک سفیر کو کچھ پیام دیکر خلیفہ کی خدمت میں بھیجا۔ سفیر جب ایوان خلافت میں خلیفہ کے سامنے پیام سلطانی پہنچا چکا تو خلیفہ نے سوال کیا کہ تم جو کچھ پیام لائے ہو سلطان نے خود تمہارے سامنے بیان کیا۔ یا تمہارے اور سلطان کے درمیان کوئی ذریعہ اور واسطہ ہے۔ اس نے عرض کیا کہ نہیں، سلطان سے تو میں نے نہیں سنا، نہ سلطان نے میرے سامنے کچھ بیان کیا، مجھ کو تو سلطان کی طرف سے نائب السلطنت فخر الدین نے یہ پیام دیا ہے خلیفہ نے فرمایا یہ فخر الدین وہی شخص ہے جس کا نام سلطان العلماء نے دفتر شہود سے کاٹ کر مردود الشہادت کر دیا ہے۔ ہم اسکی روایت قبول نہیں کر سکتے۔ سفیر یہ سن کر واپس ہوئے۔ سلطان سے سارا ماجرا عرض کیا۔ سلطان نے اپنا پیام اپنی زبان سے ادا کیا۔ سفیر نے دوبارہ خلیفہ کی خدمت میں پیش کیا۔ اور جب خلیفہ نے اسکو قبول کیا۔ اس واقعہ سے سلطان العلماء کی نہایت دینداری، حق گوئی، عظمت، شہرت، وسعت اثر کا حال معلوم ہوتا ہے۔

؂ ؂

دعوات حق
جلد اوّل

از شیخ الحدیث مولانا عبد الحق مد ظلہ
بلند پایہ حکمت و موعظت سے لبریز مواعظ کا مجموعہ
آفسٹ طباعت، دو سو سے زائد صفحات۔ قیمت تین روپے
ملنے کا پتہ :- مکتبہ حکمت اسلامیہ۔ نوشہرہ صدر